IMAM HUSAIN [A.H]
Doosrey Baani-i Islam: Ek Tahqiqi Maqaalah

Author
Maulana Saiyid Sibtul Hasan
Fazil-i Hanswi

Meerut,
January 1970

باسمہٖ سبحانہ

امام حسین علیہ السلام دوسرے بانئ اسلام

(ایک تحقیقی مقالہ)

از

فاضل جلیل محقق خبیر
مولانا الحاج سید سبط الحسن صاحب قبلہ

ناشر
انجمن امامیہ میرٹھ

جنوری ۱۹۷۰ء

عرضِ ناشر

کارکنان انجمن امامیہ عرصہ سے خواہشمند تھے کہ سالانہ مجالس کے انعقاد کے ساتھ قلمی جہاد کے میدان میں بھی اپنے حوصلہ کا امتحان لیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آج ہم اس نئے سلسلہ کی پہلی کڑی کے طور پر علامۂ محترم عالیجناب مولانا الحاج سید سبط الحسن صاحب قبلہ فاضل ہنسوی کی ایک بلند پایہ قلمی کاوش ناظرین کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

ہم تہہ دل سے علامۂ محترم کے ممنون و متشکر ہیں کہ انہوں نے ہم جیسے "تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل" کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا۔ خدا کرے کہ ہمیں محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام کے چاہنے والوں کا تعاون بھی حاصل رہے اور ہم حسینیت کی نشر و اشاعت کے اس سلسلہ کو قائم رکھ سکیں جو حقائقِ اسلام کو ان افراد تک پہونچانے کا واحد ذریعہ ہے جن کے کانوں تک ہمارے واعظین کرام کے بیانات کی گونج نہیں پہونچتی۔

ہم نے اپنے محدود وسائل کے باوجود تہیہ کیا ہے کہ کم سے کم قیمت میں بہترین معیار کی کتابیں ہر سال ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے رہیں گے۔ اپنے کرم فرما حضرات کی سابقہ عنایات کی روشنی میں ہمیں یقین ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں ان کتابوں کی خریداری فرمائیں گے اور اپنوں بیگانوں میں تقسیم کر کے بارگاہِ رسولِ برحق میں سرخرو ہوں گے۔ انشاءاللہ العزیز۔

داعی الی الخیر (انجمن امامیہ میرٹھ)

تفصیلاتِ اشاعت

عنوان کتاب۔ دوسرے بانیٔ اسلام: امام حسین علیہ السلام

مؤلف کتاب۔ مولانا الحاج سید سبط الحسن صاحب قبلہ فاضل ہنسوی

تعداد طباعت۔ ایک ہزار۔ بار اول جنوری ۱۹۷۰ء۔ قیمت تین پیسے

ملنے کا پتہ:۔ (۱) دفتر انجمن امامیہ میرٹھ (۲) دفتر مرزا رشید ثالث (علیہ الرحمہ) نیو آگرہ

ناشر۔ انجمن امامیہ میرٹھ

از افسر مہدی ایم، اے، بی، ایل، ایس سی (علیگ)

باسمہ سبحانہٗ

فاضل جلیل محقق شہیر مولٰنا الحاج سید سبط الحسن صاحب قبلہ مدظلہٗ کی ذات گرامی آج عالم شیعیت کے لئے ایک قابل فخر سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ علمی دنیا سے مس رکھنے والوں میں کون ہے جو آپ کی تحقیقات عالیہ کے اعلیٰ معیار سے واقف نہیں اور کون حق پسند آپ کی علمی برتری اور تحقیقی انفرادیت کا معترف نہیں، قدیم و جدید کتب اسلام کے بحر بیکراں میں غوطہ لگا کر "حلقۂ صد کام نہنگ" سے بچ کر جذبۂ عداوت آل نبیؐ کے مضبوط صدف کو توڑ کر اس میں چھپے ہوئے فضائل اہلبیتؑ کے موتی حاصل کرنا اور پھر بانداز سخاوت علوی ان موتیوں سے عقیدت مندان اہل بیتؑ کے دامن کو بھرتے رہنا آپ کا ایسا خیر جاری ہے جس کے لئے مومنین مخلص آپ کے جس قدر بھی شکر گزار ہوں وہ کم ہے۔ ایک منفرد اور ممتاز ناشر علوم محمدؐ و آل محمدؐ ہونے کے علاوہ احقاق حق کے میدان میں بھی مجاہدانہ شان سے آگے بڑھ کر شیعیت پر ہونے والے حملوں کا دفاع کرنا اور اپنی تحقیق انیق کی تلوار سے ادعائے باطل کو ٹکڑے کرنا علامہ موصوف کا خاص مشغلہ ہے اور لطف یہ کہ دنیا والوں سے "نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا" بس خواہش ہے تو یہ کہ جن کے لئے اپنی

خدمات وقف کردی ہیں ان کی بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل ہو جائے۔
اور بحمد اللہ اس بارگاہ عالی سے کبھی کوئی خالی ہاتھ واپس نہیں ہوتا۔ ہر
ایک بقدر ظرف فیض یاب ہوتا ہے۔

زیر نظر مقالہ مولانا موصوف کے مخصوص انداز کا شاہکار ہے" دنیائے اسلام
پر سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کا جو احسان عظیم ہے وہ اپنے پورے خدو خال
اور پس منظر کے ساتھ مستند حوالوں سے مزیّن ہو کر نظر کے سامنے آجاتا ہے اور ایک
غیر جانب دار حق پسند قاری اگر بہت محتاط بننے کی کوشش بھی کرے۔ اور "حقا کہ
بنائے لا الٰہ است حسینؑ" کہنے میں کوئی تکلف کرے تب بھی یہ کہنے پر تو بہر حال مجبور
ہو جاتا ہے کہ حسینؑ مظلوم کے کارنامے نے ان کو "اسلام کا دوسرا بانی" کہے جانے کا
مستحق بنا دیا ہے اور فرزند رسول "اَنَا مِنَ الحُسَینؑ" کی تفسیر بن گئے ہیں۔

کارکنان انجمن امامیہ (میرٹھ) لائق صد ستائش ہیں کہ وہ جہاد باللسان کے
ساتھ جہاد بالقلم کی اہمیت کو بھی محسوس کرتے ہیں چنانچہ تذکار اہلبیتؑ کی عظیم الشان
مجالس کے موقع پر ایک وقیع تحقیقی اور علمی کتابچہ بھی مومنین کی خدمت میں پیش کر رہے ہے
ہیں اور اس طرح "فردوس گوش" کے ساتھ "جنت نگاہ" کا سامان مہیا کر رہے
ہیں۔ تعریفی کلمات اس عظیم دینی خدمت کا صلہ نہیں بن سکتے (اس کا اجر تو انشاء اللہ
حسینؑ مظلوم کی سوگوار مادر گرامی کی بارگاہ سے عطا ہوگا) لہٰذا میں صرف یہ دعا کرتا ہوں
کہ خداوند عالم ان حضرات کے جذبۂ خدمت دین میں اور اضافہ فرمائے، ہمیشہ توفیقات
الٰہی ان کے شامل حال رہیں اور سالانہ مجالس کے ساتھ اس مقالہ کی اشاعت
سے جو ایک نیا سلسلۂ نشر حقائق شروع ہو رہا ہے وہ کبھی بند نہ ہو۔ وَمَا تَوفِیقِی
اِلَّا بِاللہ

غلام غلامانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ

افسر مہدی

باسمہٖ سبحانہ

دوسرے بانیٔ اسلام امام حسینؑ علیہ السّلام

خدا کا آخری پیغام جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے ہم تک آیا وہ ایک ایسا پیغام ہے جو انسانیت کی فلاح ونجات کا ضامن ہے، انسانیت کے اس محسن اعظم نے الٰہی پیغام کے پہنچانے میں جو مصائب برداشت کئے وہ ایسے ہیں جن کے تصور سے دل کانپ اٹھتا ہے۔ آپ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ "کسی پیغمبر کو ایسی اذیتیں نہیں پہونچائی گئیں جیسی اذیت مجھے دی گئی" لیکن آپ نے ان اذیتوں کو جن کو خود ہی "اعظم مصائب" سے تعبیر فرمایا ہے (کتاب ذکر اصبہان حافظ ابو نعیم جلد اول صفحہ ۱۵۸ طبع لیڈن جرمنی) ہنسی خوشی، خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت فرمایا۔ صرف اس لئے کہ خدا کا پیغام تمام انسانوں تک پہنچ جائے جس سے انسانیت اپنی فلاح وبہبود کو حاصل کر سکے، بقول علامہ شیخ علامہ عبداللہ العلائلی یہ ایک حقیقت ہے کہ "دولت عادلہ بنی نوع انسان کو تشکیل دینے کے لئے لوگوں کے ہاتھوں میں قرآن ایک میزان ومعیار کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی قرآن آخرت میں خدا کے نزدیک اس دولت کے لئے معیار تکریم ومیزان احترام ہے۔ کیونکہ قرآن میں ایک آسمانی حقیقت ہے جس کو ہمیشگی حاصل ہے اور جو مٹائے نہیں مٹ سکتی" (سمو المعنی فی سمو الذات صفحہ ۱۷ طبع بیروت)

بیشک رسول اسلام نے بنی نوع انسان کی علمی وعملی حیات کو درخشندہ بنانے کی تدبیریں کیں، معارف وحقائق کی تبلیغ فرمائی، کردار کی درستی کے لئے

مکمل شریعت پہنچائی اور دنیا کو آخرت کی کھیتی بتایا، حیات بعد الموت کو اتنی اہمیت دی جتنی اہمیت اسکو حقیقتاً حاصل تھی، کوئی برائی ایسی نہ تھی جس سے روکا نہ ہو اور کوئی ایسی بھلائی نہ تھی جس کی طرف دعوت نہ دی ہو، اپنے عمل کا مثالیہ پیش کیا، حد ہو گئی کہ نہانے کا طریقہ، ہاتھ منہ دھونے اور بیت الخلا کے آداب تک سکھائے، آپس میں انسانی حقوق اور اُن کے باہمی تعلقات کی حد بندی کی، جور و تعدی سے روکا، اہل دنیا کی مکارانہ چالوں کے بجائے سیاست صالحہ اور ایمانداری کی داغ بیل ڈالی اور ایک ایسا مکمل الٰہی قانون پیش کیا جو عدل و مساوات، خیر و صلاح کی بنیادوں پر قائم کیا گیا تھا جسمیں انسانیت کے ہر درد کا درماں موجود تھا، شارع اسلام جب تک خود دنیا میں رہے الٰہی قانون کی عملی تعبیر آپ کی پاکیزہ سیرت کرتی رہی۔

"ولقد قدّم النبی فی نفسہ نموذجاً للمسلم الکامل علٰی تاریخ الاسلام لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃٌ حسنۃٌ"

تاریخ اسلام میں خود پیغمبر نے اپنی شخصیت کو "مسلم کامل" کے نمونہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ بیشک اُمت کی پیروی کے لئے پیغمبر کی سیرت اُسوہ حسنہ ہے۔

(سمو المعنی فی سمو الذات صفحہ ۸۶)

پیغمبر نے صرف اسی پر نہیں اکتفا کیا بلکہ اپنے بعد کے لئے بھی مثالی شخصیتوں کی طرف اُمت کو رہبری فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا۔ "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی"۔

(حدیث متواتر مسلمہ بین الفریقین) یعنی قانون الٰہی کی عملی افادیت اور اُس کی صحیح تعبیر کے خاطر میں قرآن کے ساتھ اپنی عترت اہلبیت کو بھی تمہارے درمیان میں چھوڑ رہا ہوں۔ اگر تم ان دونوں سے متمسک رہو گے تو پھر تمہاری گمراہی اور ضلالت کا کوئی امکان نہیں ہے، بیشک پیغمبر کو اپنی اُمت کی ہدایت کا خیال تھا

اسی لئے آپ نے قرآن کیساتھ ایسی شخصیتوں کو بھی بتلادیا جن کی حیثیت قرآن
ناطق کی ہے۔ عصر حاضر کے مشہور مفکرِ اہلسنّت علامہ ابوالاعلیٰ مودودی نے
صحیح فرمایا ہے۔

"مجھے بتائیے کہ آج تک محض کسی کتاب نے دنیا میں انقلاب پیدا کیا ہے
اور کسی نئی تہذیب کو جنم دیا ہے۔ انقلاب ہمیشہ انسان پیدا کرتے ہیں۔ کتابیں
مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ کتابیں بجائے خود لیڈر نہیں بن سکتیں۔ اللہ تعالیٰ نے
کتاب کے بغیر تو نبی بھیجے ہیں۔ لیکن نبی کے بغیر آج تک کوئی کتاب نہیں آئی۔"

اسی بنا پر کتاب لانے والے انسان کے بعد بھی اسکی ضرورت ہر حال
میں باقی رہتی ہے کہ وجود کتاب کے ساتھ حامل کتاب بھی ہو جو اپنی زندہ مثال
سے کتاب کی صحیح تعبیر کرتا رہے۔ کون ہے جو قرآن کیساتھ ترجمان قرآن کی ضرورت
کو محسوس نہ کرے گا، یہی ترجمان دوسرے الفاظ میں "مسلم قرآنی" ہے
جو اپنی عملی زندگی سے قرآن کی تفسیر کرتا رہتا ہے۔ اسی حقیقت کی وضاحت
عصر حاضر کے مشہور عرب مفکر و محقق علامہ علائلی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

المسلم القرآنی هو القرآن فی
الانسان کما قال امیر المومنین
علی ذاك القران الصامت
وانا القران الناطق او هو
الجانب الاخر العملی منه فکما
یکون المثال علی القاعدة
کاشفا للغرض فی القاعدة
او من تمام معناها، کذلك

مسلم قرآنی دراصل خود قرآن مجسّم ہے جیسا کہ
حضرت علی نے فرمایا کہ یہ تو خاموش قرآن ہے
لیکن میں بولنے والا قرآن ہوں، دراصل
قرآن ناطق عملی نمائندہ ہے قرآن صامت کا،
چاہیے اُس کی وضاحت اپنی مثال و سیرت
سے کرے یا تمام معانی و مقصود قرآن کو
زبانی بتلائے۔ درحقیقت "مسلم قرآنی"
کی ذات میں معانی قرآن سموئے ہوئے

المسلم القرآنی یکشف الغرض فی القرآن او من تمام معناہٗ اور وہ اس اعتبار سے قرآن کی مکمل تفسیر ہے۔

(سمو المعنی فی سمو الذات صفحہ ۸۶)

آنحضرت صلعم کے ارشاد "حدیث ثقلین" سے یہ امر بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ شارع اسلام جانشینی و نیابت کا حق آپ کے اہل بیت کو حاصل ہے جو قرآن ناطق و مسلم قرآنی کی حیثیت رکھتے ہیں کسی غیر کو استحقاق خلافت نہیں ہے۔ اس امر کو پیغمبرؐ نے ابتدائے اعلان نبوّت میں "دعوت عشیرہ" کے موقعہ پر ان الفاظ میں واضح کر دیا تھا "اے پسران عبد المطلب، خدا کی قسم مجھے قوم عرب میں کوئی ایسا جوان نہیں معلوم جو اپنی قوم کے لئے اس تحفے سے بہتر لایا ہو جو میں تمہارے واسطے لایا ہوں۔ میں وہ چیز لیکر آیا ہوں جو خیر دنیا و آخرت ہے اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اسکی طرف بلاؤں۔ تو بتاؤ۔ اس امر میں میرا کون بوجھ بٹاتا ہے اس وعدہ پر کہ وہ میرا بھائی، میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہو"

یہ سُنکر تمام مجمع میں سناٹا چھا گیا، دفعتاً علیؑ نے اُٹھ کر کہا کہ "اے خدا کے رسول میں حاضر ہوں آپ کا بوجھ بٹانے کے لئے"۔ یہ سُنکر رسولؐ نے فرمایا "یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے اسکی بات سُنو اور اس کی اطاعت کرو"۔ (تاریخ الطبری صفحہ ۱۷۲ الطبع لیڈن جرمن)

پیغمبرؐ کے اس اعلان سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت کی یہ دلی خواہش تھی کہ ہدایت کے بعد میری اُمت گمراہی میں نہ مبتلا ہو۔ اس لئے آپ نے اعلان نبوت کے ساتھ ہی ساتھ اپنے جانشین کو واضح طور سے بتلا دیا، آپ نے اُمت سے اِس امر کو صاف طور سے ظاہر کر دیا تھا۔

اِنْ تُوَلُّوا عَلِيًّا تَجِدُوهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا يَسْلُكُ بِكُمُ الطَّرِيقَ الْمُسْتَقِيمَ۔

اگر علیؑ کی خلافت و حکومت کو تم نے تسلیم کر لیا تو تم انہیں ہادی و مہدی پاؤ گے۔ اور وہ تم کو سیدھے راستہ پر چلائیں گے۔

(حلیۃ الاولیا حافظ ابونعیم
کنز العمال علی المتقی جلد ۶ صفحہ ۱۶۰ طبع حیدرآباد۔
مناقب المرتضیٰ حافظ شاہ علی حیدر کاکوری صفحہ ۱۲۳)

پیغمبرؐ کے ارشاد سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ آپ اُمّت کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ بلکہ آپ کو یہ خطرہ تھا کہ آپ کے بعد اُمّت "علیؑ" کی خلافت کو تسلیم نہ کر کے کہیں گمراہی کے اسباب نہ فراہم کر لے، اُمّت کا اپنے لئے گمراہی کے اسباب کو فراہم کر لینا دراصل پیغمبرؐ کے لئے یہی اعظم مصائب تھا جسکو یاد کر کے آپ کبھی کبھی بے اختیار رونے لگتے تھے۔ ابوالمؤید الموفق بن احمد مکی اخطب خوارزم نے روایت کیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم علیؑ سے لپٹ کر بلند آواز سے رونے لگے۔ حضرت علیؑ نے پوچھا۔ "یا رسول اللہ گریہ کا کیا سبب ہے؟" فرمایا۔ "لوگوں کے دلوں میں تمہاری طرف سے کینے ہیں۔ اسکو نہ ظاہر کریں گے لیکن میرے بعد" حضرت علیؑ نے عرض کیا۔ یہ عداوت میرے دین کی سلامتی کے ساتھ ہوگی؟" فرمایا: ہاں تمہارے دین کی سلامتی کے ساتھ ہوگی (مقتل الحسین اخطب خوارزم جلد اول صفحہ ۳۶ طبع عراق)

بیشک پیغمبرؐ کے اس اعلان و ارشاد کے بعد کہ "تم میں علیؑ میرے خلیفہ ہیں۔ انکی اطاعت کرو" اور "اگر تم نے علیؑ کی خلافت کو تسلیم کر لیا تو تم ان کو ہادی و مہدی پاؤ گے اور وہ تم کو صراط مستقیم پر چلائیں گے"

یہی گمان ہوتا ہے کہ وفات رسولؐ کے بعد اُمّت نے علیؑ ہی کو اپنا ولی امر سمجھا ..

ہوگا۔ یقیناً لوگوں کے دلوں میں یہ راسخ تھا کہ خلافت پیغمبر کا استحقاق دوسروں کو نہیں بلکہ خلافت بھی اسی گھر کے لئے ہے جس گھر میں نبوّت تھی، میرے اس دعویٰ کا ثبوت حضرت عمر کی وہ تقریر ہے جو موصوف نے "سقیفہ بنی ساعدہ" میں انصار کے مقابلہ میں کی تھی اور جسکی وجہ سے انصار مہاجرین کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے، بظاہر حضرت عمر اپنے ساتھی ابوبکر کی حمایت میں بولنے کیلئے کھڑے ہوئے تھے لیکن چونکہ دل و دماغ پر یہی خیال و عقیدہ مسلّط تھا کہ خاندان نبوّت ہی سے خلیفہ ہونا چاہیئے۔

اس لئے حق بر زبان جاری شد!۔

وَاللہ لا ترضی العرب ان یؤمروکم ونبیھا من غیرکم ولکن العرب لا تمتنع ان تولی امرھا من کانت النبوۃ فیھم وولی امرھا منھم۔ (تاریخ الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۶ طبع مصر، کتاب الامامت والسیاست ابن قتیبہ صفحہ ۸ طبع مصر)۔

خدا کی قسم عرب اس پر ہرگز راضی نہ ہوں گے کہ تم ان کے حاکم ہو۔ درآنحالیکہ پیغمبر خود تمہارے گھرانے سے نہ تھے۔ ہاں عربوں کو اس امر کو قبول کرنے میں ہرگز عذر نہ ہوگا۔ کہ جس گھر میں نبوّت رہی خلافت بھی وہیں ہو۔ اس لئے ولی امر بھی بیت نبوّت سے ہو۔

حضرت عمر کی اس تقریر سے جو استفادہ علامہ شیخ عبداللہ العلائلی حنفی نے کیا ہے۔ اُس سے ہمارے مطلب پر روشنی پڑتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

تأمل قولہ ولکن العرب لا تمتنع ان تولی امرھا من کانت النبوۃ فیھم، الذی ھو بیان تصویری یکشف بجلاء عن خوافی نفسہ النفسیۃ العربیۃ من ھٰذہ الناحیۃ ونحن

حضرت عمر کے اس قول پر غور کرو۔ "عربوں کو اس امر کو قبول کرنے میں ہرگز کوئی عذر نہ ہوگا۔ کہ جس گھر میں نبوّت رہی خلافت بھی اُسی گھر میں ہو"۔ یہ ایک ایسا واضح بیان ہے۔ کہ اصل تصویر کو ہمارے سامنے نہ صرف

آلآن نستطیع ان نستفید من
منطق عمرؓ الذی استعمله ضد
خصومه السیاسیین فی الکتاب
قضیة التشریح من حیث هو شاهد
علیٰ ما نذهب من ان النفس العربیة
تنبو عن کل سلطة علی آیة شاکلة
الا ان جاءت من جانب الدین
قلیلین شکیمتها، وعمر بعد ذلک
یتوسل بانهم عشیرة النبیؐ فهم
أخلق بتمثیله ومن هذا ننتزع
الدلیل علی ان السلطة لو وکلت
الیٰ اسرة النبیؐ من اول الامر
لما نشجر هذا الخلاف ولما ظهرت
حرکة الارتداد فی اغلب الظن"
(تاریخ الحسین نقد وتحلیل صفحہ ۸۳
طبع بیروت)

پیش کر دیتا ہے بلکہ اس موضوع کے متعلق
عربوں کی اصلی نفسیاتی رجحان کو صاف
صاف پیش کر دیتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی یہ
تقریر جو انہوں نے اپنے سیاسی مخالفین
انصار کے مقابلہ میں کی۔ اس سے ہمیں یہ
افادہ ہوتا ہے کہ عربوں کو ہر طرز حکومت ناپسند
تھی سوائے ایسی حکومت کے جو بلحاظ دین خدا
کی طرف سے ان پر قایم ہو جبھی تو حضرت عمر نے
عربوں کے اس رجحان طبیعت سے فائدہ
اٹھاتے ہوئے انصار کے مقابلہ میں اس
بات کی آڑ لی کہ خاندان نبوت ہی امارت و
حکومت کا احق ہے۔ اور حضرت عمر کی اس
حجت سے ہم یہ دلیل قایم کرتے ہیں کہ اگر شروع
ہی میں امر حکومت کو خاندان نبوت کے سپرد
کر دیا جاتا تو مسلمانوں میں یہ اختلاف نہ ہوتا اور اسلام
کے خلاف ارتداد کی تحریک نہ ظاہر ہوتی"۔

لیکن اس عقیدہ وحقیقت کے باوجود خود حضرت عمر نے امر خلافت کو بیت نبوت سے نکال کر بنی تمیم (ابوبکر) کی طرف منتقل کر دیا، خلافت کا اپنے مرکز سے ہٹنا تھا کہ ایک انقلاب پیدا ہو گیا، شیخ عبد اللہ العلائلی فرماتے ہیں۔

فلم یفز بنو تمیم بفوز ابی بکر بل
فاز الامویون وحدهم ولذلک

ابوبکر کے خلیفہ ہو جانے سے بنو تمیم نہیں کامیاب
ہوئے بلکہ اصلی کامیابی تنہا بنی امیہ کو

صبغوا الدولة بصبغتهم و اثروا فی سیاستها و هم بعیدون عن الحکم کما یجد ثنا المقریزی فی رسالته النزاع والتخاصم ومن تاریخ هذا الفوز الانتخابی بدأت سعایة بنی امیہ لتهیئة الاسباب الی الانقلاب الذی سیفضی فی نهایته الی استحواذهم علی السلطة" (تاریخ الحسین نقد وتحلیل صفحہ ۸۴ و ۸۵ طبع بیروت)

حاصل ہوئی جبھی تو شروع ہی سے بنی امیہ نے حکومت اسلامیہ کو اپنے خاص رنگ میں رنگا اور اُس کی سیاست پر اپنا گہرا اثر ڈالا حالانکہ بنی امیہ کو حکومت اسلامیہ و امارت دینیہ سے دُور کا بھی تعلق نہ تھا جیسا کہ علامہ مقریزی نے اپنے رسالہ النزاع والتخاصم میں لکھا ہے دراصل جس روز سے ابوبکر انتخاب خلافت میں کامیاب ہوئے اُسی دن سے بنی امیہ کی کوششیں اسلام میں انقلاب لانے کی شروع ہوگئیں جسکے نتیجہ میں بالآخر حکومت بھی اُن کے قبضہ میں آگئی۔"

بنی امیہ کے اقتدار سے تعلیمات اسلام اور اُس کے تمدن و معاشرت پر جو بُرا اثر پڑا۔ اس سے ہر وہ شخص واقف ہے جس نے اسلامی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا ہے ظاہر ہے کہ اسلام عدل و مساوات کے قائم کرنے کے لئے آیا تھا اس لئے وہ ثروت و سرمایہ کو کسی ایک مقام پر جمع نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ سرمایہ سے ہر خاص و عام بالتسویہ مستفید ہوں اور دولت و ثروت بغیر ایک جگہ رُکے ہوئے چلتی پھرتی رہے۔

"کی لا یکون دولة بین الاغنیاء" تاکہ دولت سرمایہ داروں کے پاس گھوم پھر کر رہ نہ جائے (قرآن)

قرآن نے اُن لوگوں کو جو گردش ثروت کو روک کر ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں۔

دوزخ کی بشارت دی ہے۔

وَالَّذِینَ یَکنِزُونَ الذَّھَبَ وَالفِضَّۃَ وَلَا یُنفِقُونَھَا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ فَبَشِّرھُم بِعَذَابٍ اَلِیمٍ۔ (قرآن)

"جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے اور خدا کی راہ میں نہیں خرچ کرتے اُنکو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔"

لیکن اس کے برخلاف مسلمانوں نے سرمایہ جمع کرنا شروع کیا۔ حضرت عثمان کے عہد میں جو امویوں کا دور تھا، دُنیا کی دولت سمٹ کر مدینہ میں جمع ہو گئی۔

"وھی دارالاموال والخیل والنعم" "مدینہ دولت وثروت و تعیش کا گھر بن گیا۔"

(دول الاسلام علامہ ذہبی)

حالت یہ ہو گئی تھی کہ خود امیر جماعت اسلامیہ حضرت عثمان غنی کے پاس بہت بڑا سرمایہ جمع ہو گیا تھا۔ علاوہ زمین و باغات و محلات، درہم و دینار، سونے و چاندی کے وہ ایک ہزار غلاموں کے مالک تھے۔

(دول الاسلام علامہ ذہبی)

علامہ ذہبی نے دول الاسلام میں بتلایا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف الزہری پہلے مفلس تھے۔ لیکن اس دور میں وہ بہت بڑے دولت مند و جاگیر دار ہو گئے تھے، ایک مرتبہ صرف چالیس ہزار اشرفی پر ایک زمین بیچی۔ عبداللہ بن مسعود الہذلی نے نوے ہزار اشرفی کا ورثہ چھوڑا، زبیر بن عوام اتنی بڑی دولت و سرمایہ کے مالک تھے کہ ہزار غلام اُن کو کما کر دیتے تھے اور جو جائیداد چھوڑی وہ مرنے کے بعد چار کروڑ دس لاکھ کی بیچی گئی، طلحہ نے اپنے ایک عرب عزیز کو تین لاکھ بخشدیا۔ عمرو بن دینار طلحہ کے غلاموں کی زبانی بتلاتے

ہیں کہ طلحہ کی ہزار درہم یومیہ کی آمدنی تھی۔ مرنے پر انہوں نے بیس لاکھ درم اور دو لاکھ اشرفیاں چھوڑیں۔ ابن جوزی کہتے ہیں۔ کہ انہوں نے اتنا سونا چھوڑا جو تین سو اونٹ کا انبار تھا' ابن سعد نے روایت کی ہے کہ طلحہ کے مال و جائیداد کا اندازہ تین کروڑ دس لاکھ لگایا گیا تھا' عمرو بن العاص نے ستر تھیلے (بورے) جو اونٹ کی گردن کے برابر تھے سونے سے پُر چھوڑے' اتنی دولت ان کے پاس کیوں نہ جمع ہوتی۔ معاویہ نے چھ سال تک مملکت مصر کا خراج ان کو صرف اس خوشنودی میں بخش دیا تھا کہ انہوں نے صفین میں امیر المومنین علیؑ کے خلاف ہو کر معاویہ کا ساتھ دیا اور معاویہ کی دولت کا کیا اندازہ و شمار ہو سکتا ہے۔ ایک دن انہیں معاویہ کی یہ حالت تھی کہ ایک عورت نے پیغمبرؐ سے مشورہ کیا کہ وہ معاویہ سے تزویج کرے تو آپ نے فرمایا تھا۔ کہ یہ تو مفلس و قلاش ہے اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ لیکن گیارہ سال بعد وہ دنیا کی تمام دولت و سرمایہ کے مالک بن بیٹھے"۔ (دول الاسلام علامہ ذہبی)

ذہبی ہی نہیں بلکہ مورخ مسعودی نے اپنی تاریخ میں اور مورخ ابن خلدون نے اپنے "مقدمہ" میں اس کی وضاحت کی ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں صحابہ جاگیروں اور بہت زیادہ دولت و سرمایہ کے مالک ہو گئے تھے۔ خود حضرت عثمان کے قتل کے بعد ان کے ذاتی خزانہ میں ڈیڑھ لاکھ دینار طلا اور دس لاکھ درہم (چاندی کے سکے) موجود تھے۔ اور وادی قریٰ اور حنین وغیرہ میں آپ کی جاگیر دو لاکھ اشرفی سے کم نہ تھی۔ اس کے علاوہ بہت زیادہ اونٹ گھوڑے آپ نے چھوڑے۔ زبیر کی وفات کے بعد ان کے ترکہ کی قیمت پچاس ہزار اشرفی

تھی اور اس کے علاوہ ہزار گھوڑے اور ہزار لونڈیاں بھی تھیں'۔
طلحہ کو غلۂ عراق کی یومیہ آمدنی ایک ہزار اشرفی تھی۔ اور ناحیہ سراۃ کے غلّہ کی آمدنی اس سے بھی زیادہ بیان کی گئی ہے۔ عبداللہ بن عوف کے اصطبل میں تین ہزار گھوڑے اور ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں موجود تھیں۔ اور انتقال کے بعد ان کے ترکہ کا چوتھائی حصہ ۸۴ ہزار معلوم ہوا۔ اور زید بن ثابت نے ایک لاکھ دینار کی جاگیر اور سامان چھوڑا۔ اور اسقدر سونا چاندی چھوڑا کہ کلہاڑیوں سے کاٹا جاتا تھا۔ زبیر نے بصرہ۔ کوفہ۔ اور اسکندریہ میں عالی شان محل و عمارات چھوڑے۔ طلحہ نے کوفہ میں ایک قصر بنوایا اور مدینہ میں ایک پختہ محل گچ اور اینٹوں کا تعمیر کرایا۔ جسمیں ساگون کی لکڑی لگائی گئی (اس عہد میں ساگون بڑی قیمتی لکڑی تھی جو عرب میں ہندوستان سے برآمد کیجاتی تھی)، سعد بن ابی وقاص نے مقام عقیق میں اپنا عالی شان محل سرا بنوایا، اس کی چھت بلند رکھی اور فضا وسیع کی، اور اس کے اوپر کنگرے بنوائے۔ یعلی بن منیہ نے پچاس ہزار اشرفی نقد اور جاگیر چھوڑی جسکی قیمت تین لاکھ اندازہ کی گئی تھی۔ (مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب جلد دوم صفحہ ۲۶۱ - ۲۶۲ مقدمہ ابن خلدون جلد سوم صفحہ ۱۹۳ طبع لولاق مصر)

سرمایہ کی زیادتی کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ ایک ایک لڑائی میں ایک ایک سوار کو تیس تیس ہزار اشرفیاں ملنے لگیں (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۹۳) حالت یہ تھی کہ کوفہ کی چھاؤنی کا ایک سپاہی جب جہاد پر جاتا۔ تو اس کے ہمراہ رکاب ایک ہزار اونٹ ہوتے تھے جو اس کے ساز و سامان

وخدم وحشم کو بار کرتے تھے۔ (تاریخ الطبری ۸۰۶۲ س ۸ طبع لیڈن جرمنی)
فوجی سپاہیوں میں ایک طرف تو یہ تھا دوسری طرف ایسے سپاہی بھی تھے جو فاقہ مست تھے۔ چنانچہ ایک بھوکے سپاہی نے اپنے افسروں کی فراوانی دولت و آسودہ حالی کو دیکھ کر اپنے درد دل کو اشعار میں ظاہر کیا تھا۔ ایک مصرع میں اپنے افسروں وحکام کے متعلق کہتا ہے۔ ع:

"یسبغون مال اللہ فی الادم الوفر"

یہ لوگ خدا کے مال کو اپنے سفر کی آسائش میں خرچ کر ڈالتے ہیں۔
اسی قصیدہ کا ایک شعر ہے ؎

نؤوب اذا آبوا ونغزوا اذا غزوا
فانی لھم وفر ولسنا اولی وفر

"جب وہ جنگ پر جاتے ہیں میں بھی جاتا ہوں اور جب وہ پلٹتے ہیں میں بھی پلٹتا ہوں۔ پس یہ لوگ اتنی دولت وسرمایہ کہاں سے لاتے ہیں درانحالیکہ ہمارے پاس کچھ دولت وسرمایہ نہیں"۔
(فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۳۹۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے جنگ کرنے والے سپاہیوں کے ساتھ بھی مساوات کا سلوک نہیں کیا جاتا تھا اور مال غنیمت کی تقسیم برابر برابر نہ تھی، اسی غیر اسلامی عدم مساوات کا یہ نتیجہ تھا عموماً لوگ اقتصادی تباہی میں مبتلا تھے، بازار کا بھاؤ بہت چڑھا ہوا تھا۔ ایک گھوڑا ایک لاکھ کو ملتا تھا، مدینہ میں ایک معمولی باغ چار لاکھ درہم میں بکا تھا۔ حکیم بن حزام خویلد القرشی نے ایک معمولی مکان جسکو اس نے ایک مشک شراب کے عوض میں خریدا تھا۔

معاویہ کے ہاتھ ساٹھ ہزار میں فروخت کیا تھا۔ (دول الاسلام علامہ ذہبی)

مورّخ ابن قتیبہ نے یہ بھی بتلایا ہے کہ اس عہد میں ایک کنیز کی قیمت بڑھتے بڑھتے اتنی ہوگئی تھی کہ وہ اپنے وزن کے برابر چاندی کے سکے کے بدلے تول کر بیچی جاتی تھی، گھوڑا دس ہزار اشرفی اور اونٹ ایک ہزار اشرفی میں بکتا تھا۔ حد ہے کہ کھجور کے ایک درخت کی قیمت ایک ہزار اشرفی ہوگئی تھی۔ (کتاب الامامت والسیاست ابن قتیبہ صفحہ ۳۰ و ۳۱ طبع مصر)

ظاہر ہے کہ اِن حالات میں افلاس زدہ طبقہ کس مصیبت میں مبتلا ہوگا۔

خلیفہ سوم کے قتل کے بعد جب حضرت علیؑ کو ظاہری خلافت ملی تو مظلوم و مصیبت زدہ طبقہ کو کسی حد تک اطمینان نصیب ہوا اور آپ اُن کے اقتصادی حالات کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس سلسلہ میں آپ عمالان حکومت کی معمولی سی معمولی فروگذاشت کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے، عثمان بن حنیف انصاری جو آپ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے اُن کی سرزنش آپ نے صرف اس بنا پر فرمائی کہ وہ بصرہ کے کسی امیر کی دعوت میں شریک ہو گئے تھے حضرت نے ابن حنیف گورنر بصرہ کو تحریر کیا۔

"اے ابن حنیف! مجھے خبر ملی ہے کہ بصرہ والوں میں سے کسی آدمی نے تیری دعوت کی تھی پس تو بغیر سوچے، سمجھے جلدی سے وہاں جا پہنچا، رنگ برنگ کے کھانے تیرے سامنے پیش کئے گئے اور قسم قسم کے شربت کے پیالے تیرے آگے لائے گئے، مجھے خیال بھی نہ تھا کہ تو ایسی دعوت کو قبول کرے گا جہاں محتاج تو محروم ہوں اور امیروں و سرمایہ داروں کو مدعو کیا گیا ہو، تو اُس لقمہ کی طرف دیکھ جسکو تو چبا رہا ہے اگر وہ مشتبہ ہے تو تھوک دے۔ اور طیّب و طاہر (مال حلال) ہو تو کھا جا، آگاہ ہو ہر ماموم کے لئے ایک امام ہوتا ہے

تاکہ وہ اُس کی پیروی کرے اور اُس کے نور علم سے روشنی حاصل کرے، دیکھو تمہارے امام نے اس دُنیا میں فقط دو پُرانے کپڑے پہننے کے لئے اور دو روٹیاں کھانے کے لئے لے لی ہیں، میں جانتا ہوں کہ تم سے اس قدر صبر نہیں ہوسکتا لیکن خدا کے بندو، پرہیزگاری، جدو جہد، عفّت اور سلامت روی سے کچھ تو میری مدد کرو، خدا کی قسم دُنیا کی دھن دولت میں سے میں نے کچھ بھی نہیں جمع کیا اور یہاں کی لوٹ مار سے کوئی ذخیرہ نہیں بنایا وہ جو دو پُرانے کپڑے میرے پاس ہیں۔ ان کے سوا کوئی تیسرا کپڑا بھی موجود نہیں ہے۔ اگر میں چاہوں تو اس دُنیا کے مصفّا ترین شہد تک میری رسائی ہو جائے میں گیہوں کیا نشاستہ گندم تک حاصل کرلوں۔ اور نرم و نازک ریشمی کپڑے مجھے مل جائیں لیکن خدا نہ کرے کہ حرص مجھ پر غالب آجائے اور مجھے رنگ برنگ کے کھانوں کی طرف مائل کردے اور یہ مجھ سے کیونکر ہوسکتا ہے کہ میں سیر و سیراب، راحت و آرام سے ہوں۔ اور میری مملکت حجاز و یمامہ میں ایسے لوگ موجود ہوں جن کو ایک روٹی تک میسّر نہ ہو اور جو پیٹ بھر کھانے کی مقدرت بھی نہ رکھتے ہوں۔ میں کیسے شکم سیر ہو کر سو رہوں جب کہ میرے ارد گرد ایسے لوگ ہوں جن کے پیٹ خالی ہیں اور جن کے کلیجے پُھک رہے ہوں کیا میں ایسا ہو جاؤں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔ ؎

وَحسبکَ داءً ان تبیت ببطنۃٍ
وحولکَ اکبادٌ تحنّ الی القدِّ

"یہی بیماری تمہارے لئے کافی ہے کہ تم کھانا کھا کر شکم سیر ہو جاؤ در انحالیکہ تمہارے گرد و پیش ایسے بھوکے ہوں جنکو کھانے کے لئے خشک چمڑا تک نہ نصیب ہو۔"

"کیا میں اسی پر اکتفا کروں اور خوش ہو جاؤں کہ لوگ مجھے اپنا امیر و سردار (امیر المومنین) کہکر پکاریں اور دکھ درد میں اُن کا ساتھ نہ دوں اور زندگی کی پُر الم راہ میں اُن کی رہنمائی نہ کروں، مجھ سے تو ایسا نہیں ہو سکتا۔" (نہج البلاغہ جزء سوم صفحہ ۷۰ طبع

امیر المومنین صلوات اللہ علیہ کا یہ مکتوب گرامی اس بات کے لئے ایک تاریخی دستاویز ہے کہ اس عہد میں مملکت اسلامیہ میں بکثرت ایسے رنگ موجود تھے جو نان شبینہ کے محتاج تھے اور جن کے ردی کپڑوں اور آسودگی کا انتظام گذشتہ تین سربراہان حکومت نے کچھ نہیں کیا تھا۔ لیکن "علی بن ابی طالب" ان بھوکوں و غریبوں کے لئے بے چین ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح فقر و فاقہ کی مصیبت کو اُن سے دُور کر دیں، لیکن بنی اُمیّہ اور اُن کے رفقاء جو ثروت و سرمایہ پر قبضہ کئے ہوئے تھے وہ کب اس کو گوارا کر سکتے تھے وہ تو اس عربی ضرب المثل پر عمل کر رہے تھے کہ:۔

"ناقہ" مملکت کے تھن کو اس طرح نچوڑ لو کہ اس میں ایک قطرہ دودھ نہ رہ جائے جو اس کے بچوں کے لئے تسکین دہ ہو"

اموی اقتدار کی جڑیں خلیفہ سوم کے عہد ہی میں مستحکم و مضبوط ہو چکی تھیں جبھی تو اموی سردار ابو سفیان کو یہ جسارت ہوئی تھی کہ اُس نے عثمان کے خلیفہ ہو جانے کے بعد اُن کو یہ مشورہ دیا کہ "بنی تیم (ابو بکر) اور بنی عدی (عمر) کے بعد خلافت اب تم کو پہونچی ہے دیکھو اس کو گیند کی طرح جدھر چاہو پھراؤ اور بنی اُمیہ کو اُس کی میخیں بنا کر اُسے مستحکم کرو، یہ سلطنت دُنیا ہے اور جنت و دوزخ یہ سب کچھ نہیں ہے" (مروج الذہب مسعودی و استیعاب فی معرفۃ الاصحاب علامہ ابن عبد البر جلد دوم صفحہ ۹-۷، ۷،۱۰)

حضرت عثمان کی سیرت سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے بزرگ قوم کی نصیحت پر پوری طرح عمل کیا اور بنی امیہ کو میخیں بنا کر اموی شہنشاہیت کی بنیاد کو مضبوط کر دیا۔ معاویہ کے عہد تک استحکام حکومت ہی کی طرف توجہ رہی۔ لیکن یزید کے عہد حکومت سے دوسرا کام شروع ہوا جس کی طرف اُس کے دادا نے خلیفہ سوم کو ان الفاظ میں متوجہ کیا تھا۔

"ولا ادری ماجنۃ و لا ناراً" روز باز پُرس بہشت و دوزخ یہ سب کچھ نہیں

اب یزید نے اس کا بیڑہ اُٹھایا کہ وہ حشر و نشر کے تخیّل کو مسلمانوں کے دلوں سے مٹا دے۔ وہ باوجود بزعم خود ادعائے جانشینِ محمد صحابہ رسول کے سامنے یہ صاف صاف اعلان کرتا تھا ؎

وان متُّ یا امّ الاحیم فانکحی ✤ ولا تاملی بعد الفراق تلاقیا
فان الذی حدّثت عن یوم بعثنا ✤ احادیث طسم تجعل القلب ساھیا

"اے نازنین محبوبہ اگر میں مر جاؤں تو کسی اور سے اپنی شہوت کی پیاس کو بجھا لینا یہ اُمید نہ کرنا کہ اس جدائی کے بعد پھر ملاقات ہوگی یہ جو تو نے روز آخرت اور دوسری زندگی کے متعلق قصّے سُنے ہیں۔ یہ خرافات باتیں اور پارینہ قصّے ہیں جو انسان کے دل کو نادانی میں مبتلا کرتے ہیں۔"

کبھی وہ اس خیال کو یوں ادا کرتا تھا۔ ؎

فان حرمت یوماً علیٰ دین محمدٍ ✤ فخذھا علیٰ دین المسیح بن مریم

"اگر دین محمدی میں روز باز پُرس کے خوف سے شراب کو حرام کر دیا گیا ہے۔ تو اس دین کو چھوڑ دو۔ مسیحی عقیدہ پر شراب پیو۔ کیونکہ قیامت

تو مسیح کے قبر سے تیسرے دن اُٹھنے کے بعد برپا ہوگی اور گناہ گاروں کی طرف سے ابن مریم نے کفارہ ادا کر دیا۔ اس لئے قیامت کا جھگڑا نہ رہا۔"

کبھی وہ کہتا ہے

لعبت ھاشم بالملک فلا ✦ خبرٌ جاءَ ولا وحیٌ نزل

"محمد ہاشمیؐ حکومت حاصل کرنے کے لئے ایک کھیل کھیلے تھے نہ کوئی فرشتہ آیا نہ وحی نازل ہوئی"۔

اب اصل دین اسلام کے مِٹ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا؛ احکامات شرع و سیرت پیغمبر کو تو اس بُری طرح مسخ کیا گیا تھا۔ کہ رسول اللہ کے مشہور صحابی انس بن مالک انصاری متوفی ۹۲ یا ۹۳ھ یہ کہنے کے لئے مجبور ہو گئے۔

"صرف ایک کلمۂ شہادت "لا الٰہ الا اللہ" کے علاوہ میرے علم میں رسول اللہ صلعم کے عہد کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسکو اس زمانہ میں نہ بدل دیا گیا ہو، لوگوں نے پوچھا۔ کیا نماز میں بھی تبدیلی ہو گئی ؟ جواب دیا کہ تم لوگوں نے کیا نماز میں نہیں احداث کیا ہے وہ بھی اپنے صحیح وضع و شکل میں نہیں باقی رہی"۔

(قوت القلوب لعلامہ ابو طالب محمد بن علی بن عطیۃ المکی المتوفی ۳۸۶ھ فصل ۳۱ کتاب العلم باب فی ذکر ما احدث الناس من القول والفعل، نسخۂ خطی کتابخانہ مسلم یونیورسٹی)

نتیجہ یہ تھا کہ دین میں شک اور بدکاری کا عام رواج ہو گیا تھا؛ محمد سعید الگیلانی المصری لکھتا ہے:-

نستطیع ان نقول ان النّاس کانوا فی شک عظیم من امرد ینھم فرجال الدین یظھرون غیر ما یبطنون، وخلفاء النبی فی حقیقة الدین یرتابون و لکنھم حرصاً علیٰ جاھم حُبّاً فی المحافظة علیٰ سُلطانھم یظھرون امام النّاس بالتقویٰ والورع بینما خلفاء النّبی انفسھم یرتکبون فی قصورھم الموبقات وینتھکون المحرمات، خلفاء النّبی یشربون الخمر جھاراً، لیلاً ونھاراً ولا ینفعون عن اتیان الغلمان"

(کتاب الشریف الرضی تالیف محمد سیّد الکیلانی صفحہ ۲۹ طبع اول مصر)

میں کہہ سکتا ہوں کہ لوگ دین کے بارے میں انتہائی شک میں مبتلا تھے، وہ بظاہر دین دار تھے۔ لیکن ان کا ظاہر وباطن یکساں نہ تھا دیکھنے میں دین دار لیکن دل میں بے دین تھے، خلفاء پیغمبر بھی حقیقت دین کے معاملہ میں شک میں تھے وہ تو صرف اپنی جاہ ومنزلت کی حرص وآز میں اور اپنے اقتدار حکومت کے تحفّظ کے لئے لوگوں کے سامنے اپنے کو پرہیز گار ومتقی ظاہر کرتے تھے ورنہ یہ جانشینان پیغمبر اپنے محل سرا کے اندر فسق وفجور میں مبتلا رہا کرتے تھے اور دن رات علانیہ شراب پیتے اور لڑکوں سے بدکاری کر لینے میں نہ جھجکتے تھے"

لطف یہ ہے کہ ان امور قبیحہ کے جواز کے لئے علماء سے مدد حاصل کی گئی جنہوں نے "الخیر والشر من اللّٰہ" کے عقیدہ کو رواج دیا۔ (عقائد النسفی) اور ساتھ ہی ساتھ عوام کو یہ باور کرادیا گیا کہ پیغمبر کے جانشینوں سے قیامت کے دن کسی قسم کی باز پُرس نہ ہوگی۔ اس لئے وہ جو چاہے کریں، یزید بن عبد الملک اموی جب خلیفہ ہوا تو اس سے کچھ

لوگوں نے عمر بن عبد العزیز اموی کی سیرت پر عمل کرنے کی خواہش کی۔ (معلوم نہیں سیرت پیغمبر کو اس قابل کیوں نہ سمجھا گیا) اس پر چالیس شیوخ مشائخ شام نے دربار میں آکر اس راز کو ظاہر کیا کہ خلیفہ کو اسکی ضرورت نہیں کہ وہ اپنے کردار و سیرت کو پاکیزہ بنائے۔" ان الخلفاء لاحساب علیھم ولاعذاب" کیونکہ خلفاء سے ان کے اعمال کا قیامت کے دن حساب کتاب نہ ہوگا اور نہ اُن پر عذاب ہی کیا جاوے گا" اس واقعہ کو علامہ ذہبی نے اپنی تاریخ دول الاسلام میں بضمن ۱۰۵ھ یزید بن عبد الملک بن مروان اموی کی خلافت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے اور آخر میں بادل ناخواستہ یہ فرمایا ہے :-

"وکان طائفۃ من جھال الشامیین یعتقدون ذٰلک"

شامی جاہلوں کا ایک گروہ تھا جسکا یہی عقیدہ تھا" ذہبی اس عقیدہ کو جاہل شامیوں کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ اس عقیدہ کی تائید مندرجہ ذیل امور سے ہوتی ہے جو سواد اعظم اہلسنت کے یہاں مسلمات کی حیثیت رکھتے ہیں :-

(۱) غزوہ بدر میں شرکت کرنے والے اصحاب کے متعلق ہے۔

"لعل اللہ اطلع علیٰ اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد وجبت لکم الجنۃ او فقد غفرت لکم" خدا اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا اور یہ کہا اب تم لوگ جو چاہے اچھا بُرا کرو جنت تمہارے لئے واجب و لازم ہوگئی یا یہ کہ تم بخشدئے گئے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب فضل من شھد بدراً)

(۲) (الف) "امتی مرحومۃ قد " آنحضرت نے فرمایا میری اُمّت

رفع عنهم العذاب"

بخشدی گئی اور ان سے عذاب اُٹھالیا گیا۔"

(ب) "عذاب اُمّتی فی دُنیاھا"

"فرمایا۔ میری امت کا عذاب دُنیا ہی میں ہے۔ آخرت میں مبتلائے عذاب نہ ہوگی"

(ج) "عقوبة هٰذه الامّة فی دُنیاھا"

"اس امت کو دُنیا ہی میں عقوبت دی جائیگی آخرت میں نہیں"

(صواعق محرقہ ابن حجر مکی صفحہ ۹۴ طبع مصر)

(۳) آنحضرت نے فرمایا:-

"کیف انتم باقوام یدخل قائدهم الجنّة و یدخل اتباعهم النّار قالوا یارسول الله وان عملوا بمثل اعمالهم قال وان عملوا بمثل اعمالهم"

(تطہیر الجنان ابن حجر مکی برحاشیہ صواعق صفحہ ۱۰۴ طبع مصر)

"تمہارا حال اس قوم کیساتھ کیا ہوگا جس کا قائد و سردار جنت میں داخل ہوگا۔ اور اُسکی پیروی کرنے والے سب جہنم میں ڈالدیئے جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ چاہیے یہ لوگ وہی اعمال کریں جو ان کے قائد نے کیئے تھے۔ فرمایا۔ ہاں چاہیے ان دونوں کے اعمال ایک ہی سے کیوں نہ ہوں۔"

(۴) "لیدخلن امیر فئة الجنّة ولیدخلن تبعهٗ النّار۔"

(تطہیر الجنان صفحہ ۱۰۵)

حضرت نے فرمایا "سردار تو جنت میں داخل کیا جاویگا۔ لیکن پیروی کرنے والے آگ میں والے جائیں گے"

(۵) قال یکون لاصحابی زلّة یغفر الله لهم و سیاتی قوم بعدهم یکبّهم الله علیٰ مناخرهم فی النّار (تطہیر الجنان صفحہ ۱۰۵)

فرمایا "میرے اصحاب سے خطا و گناہ ہوگی لیکن خدا اُنہیں بخشدے گا۔ لیکن بعد کے لوگ جو ان گناہوں کا ارتکاب کرینگے۔ وہ نہ بخشے جاویں گے جہنم میں اوندھے

ڈال دیے جائیں گے۔"

(۶) لان عایشۃ رضی اللہ عنہا مجتھدۃ فھی من اھل الجنۃ واتباعھا فیھم من ھو مجتھد وھم کلھم من کان معھا من الصحابۃ فھم مثلھا فی الجنۃ و من لیسوا کذلک فھم بما یجد ثوابہ فے النار۔

(تطہیر الجنان صفحہ ۱۰۷)

چونکہ بی بی عائشہ مجتہدہ تھیں اس لئے خطا کرنے پر بھی مستحق ثواب ہیں اور جنت میں جائیں گی۔ اور اُن کے ایسے پیرو جو مجتہد تھے وہ سب کے سب صحابہ میں سے تھے وہ بھی جنت کے سزاوار ہیں۔ لیکن حضرت عائشہ کے ایسے پیروی کرنے والے اور ساتھی جو مجتہد و صحابی نہ تھے وہ اپنے انہیں اعمال کی بنا پر جیسکے وہ عائشہ کے ساتھ مرتکب ہوئے جہنم میں جائیں گے۔"

(۷) خدا جس کے لئے عدل کو ضروری نہیں سمجھا گیا ہے (بلکہ وہ ظلم بھی کرتا ہے) اُس کے متعلق سواد اعظم کا یہ خیال ہے۔

اذ المقرر عند اھل السنۃ وبہ یجتمع الایات والاحادیث والاجماع ان من مات مومنا فاسقا یکون تحت مشیۃ اللہ تعالیٰ فان شاء عفا عنہ وادخلہ الجنۃ مع الداخلین وان شاء عذبہ بقدر ذنوبہ او بعضھا ثم ادخلہ الجنۃ

آیات، احادیث و اجماع کی بنا پر اہلسنت کے نزدیک یہ محقق ہے کہ اگر کوئی فاسق و فاجر مسلمان مرجائے تو خدا کو اختیار ہے کہ چاہے بغیر سزا دیے ہوئے اُس کو بالکل معاف کر دے۔ اور اہل جنت جنہوں نے اطاعت و فرمانبرداری کی ہے ان کے ہم مرتبہ کرکے ان کے ساتھ انہیں بھی جنت میں داخل کر دے یا چاہے

تو بقدر گناہ یا کم و بیش عذاب دے کر جنت میں داخل کرے۔" (تطہیر الجنان صفحہ ۱۰۵)

مندرجہ بالا عقائد و مسلمات کی روشنی میں علامہ ذہبی جس عقیدہ کو شامی جاہلوں کی طرف منسوب فرما رہے ہیں اسکی مطابقت سواد اعظم کے عقاید و مسلمات سے ہوتی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سواد اعظم کا دینی و فقہی رجحان سلف سے اس وقت تک یہی ہے جو شامیوں کا خلفاء کے متعلق تھا جبھی تو یزید جس کا کیرکٹر یہ تھا۔

"انّہ رجل ینکح الامھات والاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوٰۃ (صواعق محرقہ ۱۳۲ طبع مصر)

وہ اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں سے مقاربت کرتا تھا۔ شراب پیتا تھا اور تارک نماز تھا۔

اور جس کے متعلق یہ اعتراف ہے۔

"یزید بن معاویہ فانہ من اقبحھم وافسقھم" (تطہیر الجنان صفحہ ۱۱۵)

سب سے زیادہ فاسق و انتہائی بدکردار یزید بن معاویہ تھا۔"

لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام جو حجاز میں تھے اور وہ اصحاب پیغمبر جو یزید کے ساتھ شام و عراق میں تھے اور اس طرح تابعین بھی یہ سب کے سب یزید کو باوجود فاسق و فاجر سمجھنے کے اُس پر خروج کرنا ناجائز سمجھتے تھے۔ (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۸۸ طبع بیروت)

"کیونکہ اس کے اعمال بد سے خلافت پر کوئی ضرب نہیں پڑتی۔ "خلیفہ خدا کی نافرمانی کرنے اور انسانوں پر ظلم کرنے سے معزول نہیں ہو سکتا۔

(شرح عقاید النسفی)

"اس لئے یزید اپنی زشتیٔ اعمال کے ساتھ واجب الاتباع خلیفۂ رسول ہے۔ اعمال کی جانچ پڑتال اور اُسکی بازپرس کا تعلق ہم بندوں سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ معاملہ خدا سے متعلق ہے اُسکو بُرا (لعن طعن) نہ کہنا چاہیے اور نہ اُسکی تکفیر جائز ہے کیونکہ وہ مومنین میں سے ہے کردار اور اعمال کے اعتبار سے اس کا معاملہ خدا سے متعلق ہے چاہے اُسکو بخشدے چاہے عذاب کرے۔" (صواعق محرقہ ابن حجر مکی صفحہ ۱۳۳ طبع مصر)

"ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت مضر نہیں۔" (ارشاد القاصد الیٰ اسنی المقاصد، محمد بن ابراہیم بن ساعد الانصاری صفحہ ۱۶۳ طبع بیروت)

"مسلمان جو چاہے کرے وہ یقیناً جنّت میں داخل کیا جاویگا، چاہے وہ کتنی ہی معصیت کیوں نہ کرے جنّت اُسی کی ہے، ایمان میں اقرار باللسان کی بھی شرط نہیں۔ بلکہ صرف اعتقاد قلبی کافی ہے، جو شخص کفر کا اعلان کرے، بُت پرستی کرے، یہودیت اختیار کرے، نصرانی ہو کر صلیب کی پرستش کرے، دار الاسلام میں تثلیث کے عقیدۂ فاسد کی تبلیغ کرے۔ اور اسی حالت میں مر بھی جائے۔ جب بھی وہ مومن کامل الایمان ولی اللہ اور اہل جنّت سے ہے۔" (الفصل فی الملل والاہواء والنحل علامہ ابن حزم ظاہری جلد ۴ صفحہ ۲۰۴ طبع مصر)

یہ ہیں سواد اعظم کے عقاید دینی کے رجحانات، انکی موجودگی میں کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ "ان الخلفاء لاحساب علیھم ولا عذاب" کا عقیدہ شامی جاہلوں سے مخصوص تھا جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ رحمۃٌ للعالمین کے خلیفہ ہیں اور یہ منصب اُن سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

تو پھر ان کے مغفور ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے، جب مغفرت ان کے لئے ضروری ہو گئی تو جو چاہے کریں، اسی وجہ سے سواد اعظم یزید کو بُرا کہنے میں تامل کرتا ہے بلکہ وہ تو یزید کی عظمت کا قایل ہمیشہ سے رہا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنی کتاب ”وصیت کبریٰ“ میں بعد ذکر عقیدت اہلسنّت متعلق صحابہ لکھتے ہیں:-

”ولم یکن احد یتکلم فی یزید بن معاویه ولا کان الکلام فیه فی الدین ثم حدثت بعد ذلک اشیاء فصار قوم یظهرون لعنة یزید بن معاویه وربما کان غرضهم بذلک التطرق الی لعنة غیره فکره اهل السُّنَّة لعنة احد بعینه فسمع بذلک قوم یتسنن فاعتقد ان یزید کان من کبار الصالحین وائمة الهدیٰ وصار الغلاة علی طرفی نقیض هؤلاء یقولون انه کافر زندیق وانه قتل ابن بنت رسول الله صلعم وقتل الانصار وابناءهم بالحرة لیاخذ بثار

زمانۂ سلف اکابر میں کوئی بھی یزید کے بارے میں کلام نہیں کرتا تھا اور نہ اس پر کلام کرنا دین و مذہب میں داخل تھا لیکن اس کے بعد کچھ ایسی باتیں ہوئیں۔ کہ ایک قوم (شیعہ) نے یزید پر لعنت کا اظہار کیا، جس کی غرض ایک یہ بھی تھی کہ اس ذریعہ سے دوسروں پر لعنت کرنے کی راہ نکالیں۔ اہل سُنّت نے کسی پر تعیّن و تخصیص کے ساتھ لعنت کرنے سے کراہت کی ہے۔ اس امر کو جب ان لوگوں نے سُنا جو اہلسنت تھے تو انہوں نے یہ اعتقاد ظاہر کیا کہ یزید صالحین کبار و ائمہ ہدیٰ سے تھا۔ اب یزید کے بارے میں طرفین نے زیادتی کی۔ ایک زیادتی کرنے والا (شیعہ) کہتا تھا کہ وہ کافر و زندیق تھا جس نے فرزند رسول

اهل بیته الذین قتلوا کفار
مثل جده لامه عتبه بن
ربیعه وخاله الولید وغیرهما
ویذکرون عنه من الاشتہار
بشرب الخمر واظہار الفواحش
واشیاء واقوام یعتقدون
انه کان اماماً عادلاً هادیاً
مهدیاً وانه کان من
الصحابة اوکابر الصحابة
وانه کان من اولیاء الله
وربما اعتقد بعضهم انه
کان من الانبیاء ویقولون
من وقف فی یزید وقفه
الله نار جهنم ویروون عن
الشیخ حسن بن عدی انه
کان کذا وکذا اولیاً
وقفوا علی النار لقولهم
فی یزید"

الوصیة الکبریٰ
جلد اول صفحہ ۳۰۰
طبع مصر

کو قتل کیا اور انصار اور انکی اولاد کو
مدینہ کے قریب حرہ میں اس وجہ سے
قتل عام کیا۔ کہ انہوں نے یزید کے
بزرگوں کو (جنگ بدر میں) بوجہ کفر کے
قتل کیا تھا اور یہ لوگ یزید کی شراب
خواری و اظہار فواحش کا بھی ذکر کرتے
تھے اور دوسرے زیادتی کرنے والے
(اہلسنّت جو تخصیص سے لعنت کرنے کو
بُرا سمجھتے تھے) کا یزید کے متعلق یہ اعتقاد
تھا کہ وہ امام عادل، ہادی و مہدی تھا
اور وہ صحابی بلکہ اکابر اصحاب سے تھا۔
اور وہ اولیاء اللہ سے تھا اور ان میں سے
بعض نے تو یہانتک عقیدت ظاہر کی۔
کہ وہ پیغمبروں میں سے تھا ان کا یہ قول تھا
کہ جو شخص یزید کی فضیلت میں توقف کرے
خدا اس کی وجہ سے اس کو جہنم پر روکے
گا اور شیخ حسن بن عدی سے (جو اولیاء
کبار میں سے تھے) یہ روایت کرتے ہیں کہ
اتنے اولیاء اللہ صرف اس وجہ سے جہنم
پر روکے گئے کہ یہ لوگ یزید کے بارے
میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے"

یزید کے متعلق مسلمانوں نے جس عقیدت و احترام کو ظاہر کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر امام حسینؑ یزید کے خلاف اقدام نہ کرتے تو آج دُنیا میں قرآن و اسلام کا نام نہ ہوتا۔ بلکہ یزید کی نبوت کا ذبہ شریعت محمدیہ کی ناسخ بن جاتی، دراصل عہد یزید میں دین اسلام دم توڑ رہا تھا، انس بن مالک صحابی رسول کے بیان سے جسکا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے کہ شریعت اسلام کو متغیر کر دیا گیا تھا۔ یہانتک کہ نماز کی شکل بھی وہ نہ تھی جو پیغمبرکے عہد میں تھی ان کے بیان کی بنا پر "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کا کلمہ موجود تھا۔ لیکن انس بن مالک نے یہ نہ بتلایا کہ کلمۂ توحید مٹنے سے کیونکر بچا، جریدۂ عالم پر نقش اِلَّا اللّٰه کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ثبت کیا تھا۔ یزید نے اس نقش کو مٹانا چاہا وہ یہ سمجھتا تھا۔ کہ محمد رسول اللہ موجود نہیں ہیں وہ اس نقش کے مٹانے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن فریب میں مبتلا تھا اس لئے کہ شخصیت محمدؐ پیکر حسینؑ میں موجود تھی، حسینؑ وجود محمدی کی مثال کامل تھے، علامہ علائلی اس حقیقت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں :-

شخص الحسین جاء راموزا صحیحاً صادقاً عن النبی فیه من معناه وفیه من طبیعة وبالثانیه فوز علی النظراء وظل لنسیج وحده اذ تم له ان یکون من رسول اللّٰه کما یکون رسول اللّٰه	شخصیت حسینؑ، ذات پیغمبرؐ کا بالکل صحیح نمونہ و درست مثال تھی، حسینؑ میں روح محمدی و طبیعت پیغمبری موجود تھی۔ گویا پیغمبر دوسری مرتبہ حسینؑ کے روپ میں جلوہ فگن ہوئے ۔ اور دستِ قدرت نے ان دونوں کو بغیر کسی فرق کے ایک ہی سا بنایا جیسے

مِنْ نفسہ۔" رسمو المعنی فی سمو الذات عبد اللہ العلائلی صفحہ ۸۷ طبع بیروت

پارچہ باف دو کپڑوں کو ایک ہی سا بنائے، حسینؑ نے پوری طرح ثابت کردیا کہ وہ رسول اللہ سے ہیں جس طرح کہ خود رسول اللہ حسینؑ سے تھے (یعنی اپنی سیرت و کردار سے حدیث رسول "حسینٌ مِنی وَ اَنَا مِنَ الحُسین" کی وضاحت و تفسیر کردی)

بنی امیہ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام و کلمۂ توحید کے مٹانے میں اُنہیں کامیابی ہوگی۔ لیکن مثیل محمدؐ حسینؑ نے اُنکی آرزوؤں کو پورا ہونے نہیں دیا، اس محل پر اگر حسینؑ شہادت نہ اختیار کرتے تو بیشک بنی امیہ کو کامیابی ہوجاتی۔ کلمۂ توحید دنیا سے مٹ جاتا، حسینؑ نے اپنے نانا کے دین کو فنا ہونے سے بچالیا۔ اب اسلام پر حسینؑ کا وہی حق ہے جو اُن کے جد محمد رسول اللہ صلعم کا حق ہے، اس کا اعتراف ہر با معرفت کلمہ گو کرے گا۔ علامہ علائلی عارف اجمیری کی ہمنوائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ومن ثم کان جدیرا علیہ السلام بأن یسمی البناء الثانی فی الاسلام بعد جدہ المصطفیٰ صلوات اللہ علیہ وبأنہ المجدد لبنایۃ التوحید کما یقول الشاعر الھندی معین الدین

اسی وجہ سے امام حسین علیہ السلام اس کے مستحق ہیں۔ کہ آپ بانیٔ اسلام محمد مصطفیٰ صلعم کے بعد اسلام کے دوسرے بانی سمجھے جائیں۔ کیونکہ حسینؑ وہ ہیں جس نے توحید کی بنیاد و اساس کو از سرِ نو مضبوط و مستحکم کردیا جیسا کہ شاعر ہندی

رحمۃ اللہ "سمو المعنی فی معین الدین اجمیری فرماتے ہیں:"
سمو الذات صفحہ ۱۱۳ طبع بیروت

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست بردست یزید
باللہ کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

(خواجہ اجمیریؒ)